Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 5 (July-Sep 2024)
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Attributes of Qutbuddin Aybak's Rulership: A Comparative Analysis of the Opinions of Muslim and Non-Muslim Historians

"قطب الدین ایبک کے اوصاف حکمرانی: مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ"

Tehmina Kanwal
PhD Scholar, The Islamia University of Bahawalpur,
Email: tehminakanwal3@gmail.com

Dr. Muhammad Imran
Associate Professor, Chairman: Department of Islamic Studies IUB, Bahawalpur
Email: muhammadimranpak3@iub.edu.pk

ABSTRACT

The topic of this paper is "Religious tolerance in the past era of India. The past era refers to the period when the Muslims ruled this country. When they came here, they were confronted by the inhabitants of this place who were of their same religion. were not in this paper, it is to be shown that the followers of these two religions have only bloodshed and looting for the sake of domination and power, or they have also had generosity, tolerance, impartiality and open-mindedness. The materials of history are raw, they Can be used to break and connect two. Qutbuddin Aibak was the owner of good qualities. He rose from a modest rank to become an Amir Stable. He obeyed his master Shahabuddin Muhammad Ghori so much that he became the dearest of the Sultan's slaves. As a king, he was fair-tempered and gentle-hearted, and loving his subjects, he was fair-minded and treated them well. He destroyed gangs of robbers and established law and order. He was bound by Shariat. He abolished all illegal taxes. It is also known from the story of Delhi that for some time Delhi was under the supervision of

Khandi Rai's successor and until the Tomars were convinced that they were plotting rebellion, its management was entrusted to the Hindu Raja. The same was the case with the Raja of Gwalior.

When he accepted Shahabuddin's authority, he was dismissed.It is also known from the coins that when some Hindu kings accepted the supremacy of the Ghoris, they were allowed to rule their territories without any resistance. It would have been different, but efforts would have been made to spread the new religion in the conquered area. According to traditions, Aybak died on November 14, 1210 in Kolhaur at the age of sixty.

Keywords: Attributes, Rulership, Opinions, Religious Tolerance, Sultan's Slaves, Delhi, Resistance.

تمہید:

برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بانی قطب الدین ایبک ہیں، وہ مسلم حکمران ہیں جنھوں نے ہندوستان میں ایک ایسی سلطنت کی بناڈالی جس پر مسلم حکمران آنے والے 600 سال تک یعنی سنہ 1857 کی غدر تک حکومت کرتے رہے۔ انھیں غلام سلطنت یا خاندانِ غلاماں کا بانی کہا جاتا ہے ،اس مقالہ میں ایبکؒ ابتدائی احوال کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف حکمرانی پر جامع گفتگو کی ہے اور قطب الدین ایبک کے دور حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے مسلم مؤرخین اور غیر مسلم مؤرخین کی آراء کی روشنی میں ایک جامع تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

نام ونسب

آپ کا مکمل نام قطب الدین ایبک المعزی شل تھا۔ خلیق احمد نظامی کے بقول:"ایبک قبائلی ایک نسبت تھی کیونکہ ایبک ترکوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا اسی نسبت سے آپ قلمی نام قطب الدین ایبک ہی لکھوایا کرتے تھے"۔(1)

جبکہ طبقات ناصری کے مصنف منہاج السراج کے مطابق اس کا پورا نام قطب الدین ایبک شل تھا، ایبک ترکی زبان میں انگلی کو کہتے ہیں اور ''شل'' کے معنی ناکارہ مفلوج کے ہیں، قطب الدین ایبک ترکی نسل سے تھا، چونکہ اس کی چھنگلیاں ٹوٹ گئی تھی اسی لئے وہ قطب الدین ایبک شل کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن پروفیسر اشوک سریواستونے اس روایت کو لایعنی قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرزاق شاہد لکھتے ہیں کہ:

CC BY

"ایک ترکی زبان کے دو الفاظ ای اور بک سے مرکب ہے۔ اس کے معنی چاند اور بک کے معنی سردار یا آقا۔ غالباً اسی لیے ولزلے ھیگ اور لین پول نے ایک کے معنی Moon Lord کیے ہیں"۔[2]

مرزا غالب بھی خود کو اپنی ایک فارسی غزل میں خود کو ترکی کے ساتھ ساتھ ایبک بھی کہا ہے اور ایک طرح سے چاند سے زیادہ خوبصورت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ غالب نے لکھا:

ایبکم از جماعۂ اتراک　　　در تمامی زماہ دہ چندیم

ان کا کہنا ہے کہ ہم ترکوں کے ایک قبیلے سے آتے ہیں اس لیے ہم چاند سے دس گنا زیادہ خوبصورت ہیں۔

اسی طرح قطب الدین ایبک کو ان کی فیاضی کے باعث لوگ اسے 'لکھ بخش' یا 'لکھ داتا' کے نام سے یاد کرتے۔[3]

پیدائش:

قطب الدین تاتاری نسلاً ترک تھا، 1150ء کو ترکستان میں ایبک نامی قبیلے کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔

خاندانی پس منظر:

قطب الدین ابھی لڑکپن میں ہی تھا کہ والدین نے شدید غربت کی وجہ سے اپنے بیٹے کو خود سے جدا کر کے نیشاپور میں لگنے والی غلاموں کی منڈی میں بولی لگوا کر بیچ ڈالا۔ صاحب تاریخ مبارک شاہی کے مطابق:

در شہر نیشاپور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبد العزیز کوفی کہ از اولاد امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ بود خرید در مرافقت فرزنداں او کلام اللہ خواند و تیر اندازی آموخت۔[4]

اس کو (بغرض فروخت) ترکستان سے شہر نیشاپور لائے تو قاضی القضاۃ امام فخر الدّین عبد العزیز کوفی نے جو کہ امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے خرید لیا جہاں اس نے قرآن مجید (5) پڑھا اور فن تیر اندازی سیکھا۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے اور اتنی اچھے لحن میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے کہ انھیں قرآن خوان بھی کہا گیا۔ یہاں تک کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں اس ہنر میں طاق ہو گیا۔ معروف ہے کہ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے بچوں نے ایبک کو ایک سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ یوں غلام زادہ دوبارہ غلام بن گیا۔ پھر اس سوداگر نے اسے سلطان معز الدین سام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایبک اعلیٰ صلاحیتوں کا تو مالک تھا مگر ظاہری حسن سے خالی تھا۔

ایبک کیسے بادشاہ کا منظور نظر بنا اس کے متعلق طبقات ناصری میں درج ذیل قصہ درج ہے کہ ایک رات بزم نشاط آراستہ ہوئی۔ سلطان نے اس جشن میں اپنے تمام غلاموں کو مسکوک و غیر مسکوک سونا چاندی انعام میں دیئے۔ قطب الدّین کو جو انعام ملا مجلس سے باہر آتے ہی اس نے پورے کا پورا ترکوں (یعنی محافظوں)، پردہ داروں، فراشوں اور دوسرے کارکنوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔[6]

OPEN ACCESS
CC BY

غزنی کا بادشاہ شہاب الدین غوری ایک بار گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ تاجر اپنے غلام کو لے کر اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ حضور میرے اس غلام کو گھڑ سواری میں کوئی نہیں ہرا سکتا۔ بادشاہ نے مسکرا کے لڑکے سے پوچھا "تم کتنا تیز گھوڑا دوڑا سکتے ہو"۔ لڑکے نے نہایت ادب سے جواب دیا۔ "حضور گھوڑے کو تیز دوڑانے سے زیادہ ضروری اسے اپنا مطیع بنانا ہوتا ہے"۔ غوری نے چونک کر اسے دیکھا اور ایک بہترین گھوڑا اسے دیتے ہوئے کہا۔ "لڑکے تم اس گھوڑے کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر دکھاؤ۔" لڑکا اچھل کر گھوڑے پر بیٹھا اور کچھ دور اسے چلا کر لے گیا اور پھر پلٹ کر واپس آیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ واپسی پہ بھی گھوڑا اپنے سُموں کے نشان پر ہی چلتا ہوا آیا۔ سلطان غوری نے سوچا جو شخص ایک جانور کو اس طرح اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہے اس کے لئے انسانوں کو مطیع بنانا کیا مشکل ہو سکتا ہے۔ اس نے فوراً اس غلام کو خرید لیا جس کا نام قطب الدین تھا۔

1205ء میں جب سلطان شہاب الدین غوری کھوکھروں کی بغاوت کو کچلنے کیلئے ہندوستان آیا تو ایبک نے آقا کے ساتھ مل کر سرکش قبیلہ کو تہس نہس کر دیا، اس مہم سے فراغت کے بعد لاہور (موجودہ پاکستان) میں ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا اور قطب الدین ایبک کی بیش بہا خدمات اور جاں فشانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے 'ملک' کا خطاب بخشا۔ یہ خطاب ان دنوں بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا اور بادشاہ کے سب سے قریبی معتمد کو دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان شہاب الدین غوری نے ایبک کی اطاعت شعاری اور فرماں برداری کے انعام کے طور پر اپنے تمام ہندوستانی مقبوضات کا حاکم اعلیٰ مقرر کر کے اپنی ولی عہدی سے سرفراز کیا۔ ان عظیم اعزازت کے باوجود قطب الدین ایبک نے اپنے آقا کے سامنے خود کو ایک نہایت اطاعت شعار غلام کی صورت میں رکھا اور اس کی زندگی میں کبھی بھی خود مختاری کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

دور حکومت:

قطب الدین ایبک (پیدائش: 1150ء– وفات: دسمبر 1210ء) برصغیر کا پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دہلی میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، جو دہلی سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی۔ نسلاً ہزارہ ترک تھا۔ معین احمد نظامی نے مزید کہا کہ اس جنگ سے برصغیر میں ایبک کے سیاسی کریئر کا آغاز ہوا اور بالآخر وہ سنہ 1206 میں معزالدین غوری کی موت کے بعد دہلی کے تخت تک جا پہنچے۔

تاج پوشی

تاریخ دانوں کا متفقہ طور پر کہنا ہے کہ سلطان معزالدین محمد غوری کے اچانک مارے جانے کی وجہ سے وہ کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکے تھے چنانچہ ان کی زندگی میں ان کا جو غلام جہاں جس اعلیٰ عہدے پر فائز تھا وہ وہاں کا حاکم بن بیٹھا لیکن ایبک اپنی فراست اور سیاسی حکمت عملی کو استعمال کرتے ہوئے اصل جانشین کا عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انتقال کے بعد ان کے تین جانشینوں دہلی کے حاکم قطب الدین ایبک، ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ اور غزنی کے حاکم تاج الدین یلدوز کے درمیان اقتدار کے لیے مقابلہ شروع ہو گیا۔ رحما جاوید کا کہنا ہے کہ ان کا ایک چوتھا غلام بختیار خلجی تھا جو کہ اس رسہ کشی میں شامل

نہیں ہوا اور وہ بہار اور بنگال کی طرف چلا گیا اور خود کو وہاں کا فرمانروا کہا۔ بہر حال ایبک کو دوسروں پر غلبہ حاصل ہوا اور 25 جون سنہ 1206 کو لاہور کے قلعے میں ان کی تاج پوشی ہوئی۔ لیکن انھوں نے سلطان کا خطاب نہیں اپنایا اور نہ ہی اپنے نام سے کوئی سکہ جاری کیا اور نہ ہی اپنے نام سے کوئی خطبہ پڑھایا۔ اس بابت معین احمد نظامی کا کہنا ہے کہ یہ اس لیے تھا کہ وہ غلام تھے اور انھیں آزادی نہیں ملی تھی اس لیے انھیں سلطان کے طور پر قبول کیا جانا مشکل تھا۔(7)

رشتہ داریاں

صاحب تاریخ ملت لکھتے ہیں کہ:

> "عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لیے اس نے بہت سے ناطے رشتے کیے، اس سے بھی اس کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصر الدین قباچہ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مر گئی تو دوسری بیٹی کا نکاح کر دیا۔ شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا اس سے بھی اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا"۔(8)

القابات

معاصر مؤرخوں نے سلطان قطب الدین ایبک کو جن القاب سے یاد کیا ہے ان میں مندرجہ ذیل القاب مذہبی اعتبار سے قابل غور ہیں:

1۔کہف الاسلام والمسلمین	2۔قامع الکفرة والتمرین (والمشرکین)	3۔قاتل الفجرة والمشرکین
4۔ناصر الاسلام، کاسر الاصنام	5۔نصرة امیر المؤمنین	6۔رکن الاسلام والمسلمین
7۔المؤید من السماء	8۔ظہیر الملت	9۔مخیر الامة

10۔عضد الخلافة۔(9)

اوصاف حکمرانی:

قطب الدین ایبک اچھے اوصاف کا مالک تھا، معمولی درجے سے ترقی کر کے امیر اصطبل بنا، اس نے اپنے آقا شہاب الدین محمد غوری کی اس قدر اطاعت کی کہ سلطان کے غلاموں میں وہ عزیز ترین بن گیا، ایک بادشاہ کی حیثیت سے منصف مزاج اور نرم دل تھا اور رعایا کو چاہنے والا عدل پرور تھا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔ اس نے لٹیروں کی ٹولیوں کو ختم کر کے امن و امان قائم کیا، وہ شریعت کا پابند تھا، اس نے تمام غیر شرعی ٹیکس ختم کر دیئے، کل پیداوار کا دسواں حصہ مال گزاری کی شکل میں وصول کرتا تھا، علم و فضل کا پرستار تھا اور علماء کو وظائف اور انعامات سے سرفراز کرتا تھا، وہ نہایت سخی فرماں روا تھا۔(10)

OPEN ACCESS

مدبر

قطب الدین ایبک ایک معاملہ فہم دور اندیش اور مدبر حکمران تھا۔ وہ ہندوستان سے باہر وسطی ایشیا کی سیاست پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ اپنی سلطنت کو وسطی ایشیا کی سیاست سے دور رکھے۔ اس طرح ایبک کے تدبر نے اپنی سلطنت کو وسطی ایشیا کی ابھرتی ہوئی خوارزمی قوت سے محفوظ رکھا۔ اس نے اپنے دشمنوں کے خلاف بیک وقت کئی ایک محاذ نہیں کھولے بلکہ ان سے معاملات طے کرنے میں کہیں حکمت عملی اور کہیں تلوار سے کام لے کر نوزائیدہ سلطنت کو بکھرنے سے بچایا۔[11]

امن وامان

تاریخی اصول ہے کہ کسی سلطنت و حکومت کے استحکام رعایا کی خوشحالی اور سرحدوں کے دفاع کے لیے سلطنت کے اندر امن وامان کا قیام از حد ضروری ہوتا ہے۔ قطب الدین ایبک نے امن وامان کے قیام کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے تاکہ رعایا خوشحال اور ملک ترقی کے راستے پر گامزن ہو۔

1192ء سے 1206ء تک مختلف بغاوتوں کو فرو کرتے ہوئے اسے ذاتی تجربہ ہوا کہ کب گفت وشنید کے دروازے بند کر کے قوت استعمال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا امن وامان کے قیام کے لیے ایبک نے ترغیب و تحریص اور صلح وجنگ، غرضیکہ ہر حربہ استعمال کیا اپنے داخلی و خارجی دشمنوں کے ساتھ (Marriage Alliances) کی پالیسی پر عمل کیا۔

آئین اکبری کے مطابق بعض جگہ: ہندو عمال کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا، اس طرح اس نے رعایا کو چوروں ڈاکوؤں اور راہزنوں سے نجات دلائی، تمام لوگ قتل وخونریزی کے ہنگاموں کو بھول گئے تھے۔[12]

لین پول لکھتا ہے:

> "The roads were freed from robbers and the Hindus both High and Low were treated with royal benignly."[13]

خوشحالی

قطب الدین ایبک کے عہد میں چونکہ سلطنت کے اندر ہر طرف امن وامان اور شاہراہیں محفوظ تھیں، لہٰذا تجارت میں ترقی اور ملکی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ زمینداروں اور مزارعین کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ ہر قسم کے غیر شرعی ٹیکس منسوخ کر دیئے گئے۔ حکم جاری کیا گیا کہ مسلمانوں سے شرعی ٹیکس عشر وصول کیا جائے۔[14]

عدل وانصاف

سیاسی مفکرین کی متفقہ رائے ہے کہ سلطنت عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ قطب الدین ایبک کے عدل وانصاف کے حوالے سے یہ ضرب المثل مشہور تھی۔

"بھیڑیا اور بکری ایک ہی جگہ سے پانی پیتے تھے"۔[15]

OPEN ACCESS

سخاوت

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً مفتوحہ اقوام فاتحین سے نفرت کرتی ہیں۔ فاتحین کی خوبیاں بھی مفتوحین کو خامیاں ہی نظر آتی ہیں اور دل انتقام کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ ہندو مورخین نے ہندوستان میں مسلم دور حکومت کو اسی تعصب سے دیکھا ہے، برطانوی ہند کی تاریخ لکھتے ہوئے ہندو اور مسلم دونوں مورخین نے انگریزوں سے تعصب برتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قطب الدین ایبک کے ساتھ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ اگر چہ اس کا عہد حکومت مختصر تھا تاہم اس کے کردار کی خوبیوں کا نقش اس قدر گہرا اور دیر پا تھا کہ صدیوں بعد جب ہندوستان کا ایک نامور مورخ ہندوستان کی تاریخ لکھنے بیٹھا تو اسے اعتراف کرنا پڑا کہ: آج تک ہندوستان کے لوگ جس شخص کی جود و سخاوت کی تعریف کرتے ہیں اسے کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کا قطب الدین ہے"۔[16]

معروف سیاح فرشتہ بتاتے ہیں کہ: "فراخ دلی کے حامل لوگوں کو اس وقت کے ایبک کے نام سے جانا جاتا تھا"۔[17]

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

"عصری اور بعد کے تمام ذرائع نے ایبک کی فوجی صلاحیتوں کے علاوہ ان کی وفاداری، سخاوت، جرات اور ان کی انصاف پسندی جیسی خصوصیات کی تعریف کی ہے۔ وہ اپنی سخاوت کی وجہ سے لاکھ بخش (لاکھ دینے والے) کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی فیاضی کی کہانیاں 17 ویں صدی کے آخر میں دکن میں عام گردش میں تھیں"۔[18]

علم پروری:

اگر چہ ایبک کا زیادہ تر وقت نوزائیدہ سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں گزرا۔ تاہم قاضی فخر الدین کوفی کے علمی گھرانے کے نقش بڑے گہرے تھے۔ لہذا اپنے مختصر عہد حکومت میں بھی ایبک نے علماء و شاعروں کی قدردانی کی اور مالی آسودگی کے لیے ان کی مدد کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد حکومت میں اس کا پایہ تخت لاہور ارباب فضل و کمال اور صوفیاء و مشائخ کا مسکن تھا۔ اس کے عہد حکومت میں بہاؤ الدین اولشی اپنی نصاحت و بلاغت اور انشاء پردازی میں مشہور تھے۔ انہوں نے ایبک کی شان میں کئی قصیدے لکھے اور انعام سے مستفیض ہوئے۔ مولانا بہاؤ الدین اوشی نے ایبکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

اے بخشش تو لک بجہاں آوردہ   کانرا کف تو کار بجا آوردہ

از رشک کف تو خوں کرفتہ دل کاں   وز لعل بہانہ درمیاں آوردہ"۔(19)

ترجمہ: اے بخشش تونے اس کو موقع پر پہنچا دیا، لیکن تونے کر دکھایا

حسد کی وجہ سے آپ کا دل خون آلود ہے اور آپ بہانے نکال کر آئے ہیں۔

تاج المآثر قطب الدین ایبک کے عہد کی مشہور تاریخ ہے۔ جس کا مصنف حسن نظامی سلطان کے دربار سے وابستہ تھا۔ یہ ہندوستان کا پہلا مورخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی۔ ایبک کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جو صرف تاج المآثر میں

ملتے ہیں۔ سلطان قطب الدین ایبک نے علماء، فضلاء، فقہاء، قاریوں اور زاہدوں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے اور ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا۔ ایبک کی علم دوستی اور علم پروری کی بدولت ہی لاہور اہل تقویٰ اور اصحاب فضل و کمال کا مرکز بن گیا تھا۔(20)

ایبک کی حکمت عملیاں

قطب الدین ایک نے ایسے ملک میں ترک حکومت کی بنیاد رکھی جہاں اس کے ہم مذہب اور ہم وطن آٹے میں نمک کی برابر تھے۔ ہر چار سو دشمن ہی دشمن تھے۔ غیر تو غیر اسے اپنوں سے بھی خیر کی توقع نہ تھی۔ اس کا آقا دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ ان حالات میں اسے غور و غزنی سے کسی قسم کی بعد کی امید نہ تھی۔ بلکہ غزنی کی طرف سے تو خطرہ تھا۔ اسے صرف خدا اور اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرتا تھا۔ اپنے وسائل اور قوت کو احتیاط اور دانشمندی سے استعمال کرنا تھا اسے اپنے وسائل اور اپنے دشمنوں کی طاقت کا اندازہ تھا۔ حالات اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ ایک ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے۔ کوئی بھی غلط چال یا لغزش اس کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی تھی۔ اسے ہر وقت مستعد رہنا تھا۔ یہ وقت ایک کے اعصاب اور صلاحیتوں کے امتحان کا وقت تھا۔ ناکامی کی صورت میں نوزائیدہ سلطنت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا اور برصغیر کی تاریخ کسی اور طرح لکھی جاتی۔ ایبک نے ساری صورت حال کا بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ لیا۔ ایک ایک نکتہ اور مسئلہ کے ہر پہلو پر خوب غور و فکر کیا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان مسائل و مشکلات سے عہدہ بر آ ہونے کے لیے کوئی ایسی حکمت عملی وضع کی جائے جس میں قوت کا استعمال کم سے کم ہو اور نوزائیدہ سلطنت پر آنچ آئے بغیر خود مختار حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ اس نے ایک حکمت عملی تیار کی اور خدا پر بھروسہ کر کے پختہ عزم و حوصلہ کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوا۔ اس کی حکمت عملی کیا تھی اس کا پتہ اس کے حسب ذیل اقدامات سے چلتا ہے۔(21)

حکمت عملی کا پہلا قدم

قطب الدین ایبک نے ابتداء گھر سے کی، سب سے پہلے ترک امراء اور فوجی سرداروں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ اس کی حکمت عملی کا پہلا قدم تھا۔ اندرونی دشمن سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ ایبک نے ان کی کمزوریوں کو جانتے ہوئے ترغیب و تحریص سے کام لیا اور ان کے مفادات کا تحفظ کرنے اور خیال رکھنے کا یقین دلایا۔ ترک امراء اور فوجی سرداروں کو یقین دلایا گیا کہ نوزائیدہ ترک سلطنت کی بقاء میں ہی ان کا فائدہ ہے اور مستقبل میں انہیں بلند مقام و مرتبہ حاصل ہو گا۔ اس طرح ایبک نے اس گروہ کے دل جیتنے کے لیے ہر داؤ پیچ اور حربہ استعمال کیا اور بالآخر اس داخلی قوت کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔(22)

اقتدار بنگال

بنگال میں حصول اقتدار کے لیے جنگ جاری تھی علی مردان خان جس نے بنگال کے آزاد اور خود مختار حکمران ہونے کا اعلان کیا تھا اس کے مخالف خلیجی سرداروں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے قید کر لیا تھا اور اس کی جگہ محمد شیران کو بنگال کی

حکومت اس شرط پر دی گئی تھی کہ بنگال آزاد و خود مختار رہے گا۔ علی مردان کسی طرح قید سے فرار ہو کر ایبک کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ ایبک نے بنگال کی یہ مہم اپنے سردار رومی خان کے سپرد کی۔ جس نے حکمت عملی اور قوت سے کام لے کر بنگال میں علی مردان کا اقتدار بحال کر دیا۔ جس نے ایبک کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لیا۔[23]

علمی و دینی خدمات

سلطان قطب الدین ایبک کو علم و ادب اور شعر و شاعری سے بھی خاص لگاؤ تھا سلطان قطب الدین ایبک نے فن تعمیر کی طرف بھی توجہ دیں۔ قطب مینار کے ساتھ قوۃ الاسلام مسجد کی بھی بنیاد انھوں نے ڈالی جبکہ اجمیر کی فتح کے بعد انھوں نے ایک مسجد کی تعمیر کروائی جسے ڈھائی دن کا جھونپڑا کہا جاتا ہے۔ یہ شمالی ہند میں بننے والی پہلی مسجد کہلاتی ہے جو آج تک موجود ہے۔ در اصل اسے جلدی جلدی ڈھائی دن میں کھڑا کیا گیا تھا لیکن پھر اس پر موجودہ افغانستان کے ہرات سے تعلق رکھنے اولے معمار ابو بکر نے مسجد کا نقشہ یا ڈیزائن تیار کیا اور یہ مسجد سنہ 1199 میں بن کر تیار ہوئی جسے ہند اسلامی طرز تعمیر کا پہلا شاہکار کہا جاتا ہے۔ اسی طرح قطب الدین نے قطب مینار کی بنا ڈالی جسے ان کے بعد شمس الدین التمتش کے زمانے میں مکمل کیا جا سکا۔ یہ اینٹ سے تعمیر دنیا کا سب سے بلند مینار ہے جس کی پانچ منزلیں ہیں اور ان پر آیات قرآنی کندہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایبک نے قوت الاسلام مسجد کی بنا ڈالی جس کی باقیات آج بھی قطب مینار کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں۔

تاریخ داں رحما جاوید نے بی بی سی کے ساتھ بات چیت میں کہا کہ جتنے بھی فارسی ماخذ ہیں اس میں اسے جامع مسجد کہا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایک جامع مسجد تھی جسے قبۃ الاسلام یعنی اسلام کی پناہ گاہ یا اسلام کا گنبد کا نام دیا گیا تھا لیکن سر سید احمد خان نے اپنی تصنیف 'آثار الصنادید' میں اسے قوت الاسلام مسجد کا نام دیا ہے۔ انکی مشہور تعمیرات میں مسجد قوت الاسلام دہلی۔ قطب مینار اور اڑھائی دن کا جھونپڑا حاصل طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[24]

اور اس میں خاص بات یہ ہے کہ اس مسجد میں ہند اسلامی طرز تعمیر نمایاں ہے اور اسے ہندوستان کے کاریگروں نے بنایا جو کہ عربی رسم خط سے نابلد تھے لیکن پتھروں پر کندہ کرنے کے ماہر کاریگر تھے۔ اس میں کچھ جین مندر کی باقیات بھی نظر آتی ہیں جنھیں ستون کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اس میں مجسمے بھی بنے ہیں لیکن ان کے نقش کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ یہ مسجد بھی شمس الدین التمتش کے عہد میں مکمل ہوئی۔

مسلم رعایا کے ساتھ سلوک

مشہور مؤرخ فرشتہ کا کہنا ہے کہ "آج تک کسی کی سخاوت اور فیاضی کی اتنی تعریف سننے میں نہیں آئی جتنی قطب الدین ایبک کی اب تک سنی جا رہی ہے، اس نے نہ کسی پر کبھی ظلم کیا اور نہ ہی کسی بے گناہ کو قتل کیا، قطب الدین ایبک ایک غیر جانبدار اور انصاف پسند حکمراں تھا، اس نے اپنی فوج میں نہ صرف کافی تعداد میں ہندو سپاہیوں کا تقرر کیا بلکہ بہت سے ہندو حکام کو بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا"۔

OPEN ACCESS

غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک

مذہبی تعلقات

قطب الدین ایبک کے زمانہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو جہاں مسلمانوں کی عبادت کے لیے مساجد کی تعمیر کا ذکر بہت کم ملتا ہے جن کی تعداد کا اندازہ ایک درجن سے بھی کم ملتا ہے جبکہ اس کے بر خلاف آثار قدیمہ کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ شمالی ہندوستان میں اب تک اس زمانہ کے بہت زیادہ مندر موجود ہیں"۔ (25)

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مفتوحہ قومیں کسی حملہ آور کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا کرتیں، ان کے کانوں میں ہمیشہ شمشیر و سناں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں اور ان کے دل انتقامی جذبات سے بھڑکے رہتے ہیں۔ لیکن قطب الدین ایبک کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہیں آیا، اس کے جذبہ حق پرستی، وسیع القلبی اور داد گری نے نہ صرف دلوں میں اپنا اعتماد پیدا کرا دیا بلکہ اس کے قائم کیے ہوئے نظام کی سماجی خوبیوں سے متاثر ہو کر تمام لوگ قتل و خون ریزی کے ہنگامہ کو بھی بالکل بھول گئے۔

معاشی تعلقات

ایک بادشاہ کی حیثیت سے منصف مزاج اور نرم دل تھا اور رعایا کو چاہنے والا عدل پرور تھا اور ان کے ساتھ معاشی طور اچھا سلوک کرتا تھا۔ اس نے لٹیروں کی ٹولیوں کو ختم کر کے امن و امان قائم کیا۔ وہ شریعت کا پابند تھا۔ اس نے تمام غیر شرعی ٹیکس ختم کر دیئے۔ کل پیداوار کا دسواں حصہ مال گزاری کی شکل میں وصول کرتا تھا۔

اگر ان ابتدائی مسلم فتوحات کو جہاد خیال کیا جائے تو پھر کسی غیر مسلم کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک اسلامی فوج کو حکم ہوتا ہے کہ مذہبی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اپاہجوں راہبوں اور فصلوں و باغات کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ دشمن کی املاک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ صرف ان لوگوں سے جنگ کی جائے جو مسلمان فوج سے جنگ کریں۔ قتل عام کی ہرگز اجازت نہیں ہے جو امان مانگے اسے امان دی جائے۔ جو ہتھیار پھینک دے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر اسلام کے اصول صلح و جنگ کو پیش نظر رکھا جائے ہندوستان کی ان جنگوں کو جہاد قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (26)

معاشرتی تعلقات

سلطنت دہلی کا مطالعہ کریں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ ترکوں کے حملے کے وقت دہلی تو کیا پورا ہندوستان طبقاتی امتیازات اور چھوت چھات کے مہلک تصورات کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، اعلی طبقات شہروں میں مکین تھے اور پورا سماجی نظام ان کے لیے زندگی کی ساری نعمتیں مہیا کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا، چھوٹے طبقہ کے لوگ شہروں سے باہر رہتے تھے، ان کی زندگیاں ذلت و خواری کی دردناک داستانیں تھیں، ان کے لیے مذہبی کتابیں پڑھنا تو درکنار، سننا بھی جرم تھا، مندروں کی شکل انہوں نے کبھی

OPEN ACCESS

نہیں دیکھی تھی، شہر کی چہار دیواری میں طلوع آفتاب کے بعد وہ کام کرنے کے لیے داخل ہوتے تھے اور غروب سے پہلے باہر نکل جانا پڑتا تھا، ایک ہی جرم کی مختلف سزائیں تھین، اعلی طبقات کے لیے اور، اور نچلے طبقہ کے لیے اور سزائیں تھیں"۔ [27]

ایبک نے جس سماجی نظام سے ملک کو روشناس کیا اس کے دو زبردست انقلابی اثرات ہندوستان کے ہر بسنے والے نے محسوس کیے ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ سیاسی نظام کی نظر میں اعلی اور ادنی دونوں طبقے کے ہندو ایک ہی حیثیت رکھتے تھے، اور صدیوں کی وہ طبقاتی تقسیم جس کو حکومت بر قرار رکھنے کے لیے کوشاں رہتی تھی یکدم بے معنی ہو گئی تھی، نئے قانون کی نظر میں سزا کے لیے اعلی و ادنی کا کوئی امتیاز باقی نہیں تھا۔

2۔ یہ کہ شہر کی چہار دیواری اب طبقاتی تقسیم کی نشانی نہیں رہی تھی، بلکہ محض محافظت کی ایک فصیل ہو کر رہ گئی تھی، نئے شہروں میں رئیسوں کے محل اور فقیروں کی جھونپڑے دوش بدوش نظر آتے تھے۔ [28]

مسلم مؤرخین کی آراء

ہندوستان میں عام طور اسلام، مسلمان، قرآن، شریعت، پردہ، جہاد، دہشت گردی، جیسے اسلام اور مسلمانوں سے جڑے کئی عنوانات مستقل طور پر زیر بحث رہتے ہیں اور ان بحثوں میں زیادہ تر مباحث جو اسلام اور مسلمانوں سے متعصب ہوتی ہیں، لیکن کئی ایسی حقیقتیں بھی ہیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کی سچائی، حق پرستی کی گواہی دیتی نظر آتی ہے۔ کئی جرنلسٹ ماہرین و دانشوران ایسے بھی گزرے ہیں، جنہوں نے اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور مسلمان، ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں ایک کلیدی رول رکھتے ہیں۔

صاحب سلاطین دہلی لکھتے ہیں کہ:

> قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں جب بعض ہندو راجاؤں نے مسلم اقتدار تسلیم کر لیا تو انہیں ان کے علاقوں پر حکومت کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ [29]

صاحب طبقات ناصری ایبک کے ہندوؤں کے ساتھ سلوک پر لکھتے ہیں کہ:

> "ایبکؒ کی بخشش بھی لاکھوں تک پہونچی ہوئی تھی اور امن امان استحکام کی غرض سے اس کے گشت و خون سے بھی لاکھوں موت کی گھاٹ اتر گئے"۔ [30]

صاحب تاج المآثر ہندوؤں کے ساتھ تعلقات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> "خسرو ملک کے خلاف سلطان شہاب الدین نے کشمیر کے ہندو راجہ سے بھی مدد لی تھی"۔ [31]

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ ایبکؒ کا ہندو سرداروں پر اعتبار بھی کمال درجہ تک تھا:

> "اجمیر کی فتح کے بعد اس علاقہ کو ایک مدت تک پرتھوی راج کے بیڑے کی نگرانی میں رہنے دیا گیا"۔ [32]

OPEN ACCESS

حسن نظامی نے لکھا ہے کہ:

"اور رائے پر تھوی کے بیٹے کو جس کی شکل اور عادات سے دلائل مردانگی اور علامات فرزانگی ہویدا تھیں، اجمیر کی حکومت سپرد کر دی گئی"۔ (33)

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

"رائے پر تھوی کے بیٹے کو خلعت اور کرامت خاص سے نوازا گیا تھا"۔ (34)

صاحب تاریخ ہند لکھتے ہیں کہ:

"قطب الدین ایبک نہایت پکا مسلمان تھا اور ہندو رعایا کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اس کی خوبیوں اور برتاؤ کی وجہ سے اس کی تمام رعایا نہایت خوش تھی"۔ (35)

خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

"احوال دہلی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کچھ عرصے تک دہلی کھاندی رائے کے جانشین کی زیر نگرانی میں رہا اور جب تک تومروں کے متعلق یہ یقین نہیں ہو گیا کہ وہ باغیانہ سازشوں کا جال بچھا رہے ہیں، اس کا انتظام ہندو راجاہی کے سپرد رہا۔ یہی عمل گوالیار کے راجہ کے ساتھ بھی رہا۔ جب اس نے شہاب الدین کا اقتدار تسلیم کر لیا تو اس کو برقرار رکھا گیا۔ سکّوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض ہندوں راجاؤں نے جب غوریوں کا اقتدار اعلی مان لیا تو ان کو بلا کسی مزاحمت کے اپنے علاقوں پر حکومت کرنے کی اجازت دے دی گئی، اگر ان جنگوں کا مقصد مذہبی ہوتا تو فتوحات کا رنگ نہ صرف مختلف ہوتا بلکہ مفتوحہ علاقہ میں نیا مذہب پھیلانے کے لیے پرزور جدوجہد بھی کی جاتی"۔ (36)

غیر مسلم مؤرخین کی آراء

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان کی ترقی کی راہ ہموار ہوئی، مسلمان فاتحین نے اپنا خون بہا کر اس سر زمین میں اپنا قدم جمایا، اس سلسلہ میں ان کو لڑائیاں لڑ کر خوں ریزی بھی کرنی پڑی، مگر ان کی تاریخ صرف خون آشامی ہی نہیں کی بلکہ اس میں رواداری، فراخ دلی، دل جوئی اور انسانیت نوازی کے روشن پہلو بھی ہیں، جس کا اعتراف بعض ہندو مؤرخین نے بھی کیا ہے جس کا اندازہ ہم ذیل کے اقوال سے لگا سکتے ہیں۔

اس بات کو The Oxford History of India میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

His gifts were bestowed by hundreds of thousands and his slaughte like wise were by hundreds of thousands. (P. 237)

لین پول بھی بھی لکھتا ہے کہ قطب الدین نے مندروں کو گرا کر وہاں مساجد بنوائیں۔ (P.68)

CC BY

اور پھر خود ہی اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ:

"The Hindus both high and low were treated with royal benignly"(P.68)

ترجمہ: ہندوؤں کے ساتھ اعلیٰ اور ادنیٰ شاہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

ڈاکٹر تاراچند اپنی کتاب "ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات" میں لکھتے ہیں:

"جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی تو انہوں نے ہندوؤں کو مختلف عہدوں پر مقرر کرنا ضروری قرار دیا، محمود غزنوی کی فوج میں بھی بکثرت ہندو سپاہی تھے، جو اس کی حمایت میں وسط اشیاء میں جا کر لڑے، اس کے ہندو فوجی کمانڈر تلک نے اس کے ایک مسلمان فوجی عہدیدار نیالت گین کی بغاوت فرو کی اور جب قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں رہ کر حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے ملکی نظام کو چلانے کے لیے ہندوؤں ہی کو مقرر کیا، کیوں کہ ان کے بغیر سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، مسلمان ہنر مندوں، محاسبوں اور محرروں کو اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، ہندوؤں ہی نے ان کے لیے عمارتیں بنائیں، جن میں پرانی چیزیں نئے حالات کے مطابق شامل کی گئیں، ہندو سناروں ہی نے مسلمان حکمرانوں کے سکے ڈھالے اور ہندو محاسبوں ہی نے ان کا حساب کتاب درست کیا، پنڈتوں نے ہندو قوانین پر عمل در آمد کرانے میں ان سلاطین کو مشورے دیے اور برہمن نجومیوں کی رائے سے حکومت اور دربار کے مختلف کام انجام پاتے تھے، مسلمان ہندوستان آئے تو انہوں نے اپنا وطن بنایا، وہ ہندوؤں کے ارد گرد رہتے تھے، اس لیے دائمی عناد و مخاصمت کے ساتھ ان کے لیے زندگی بسر کرنا ممکن نہ تھا، اس باہمی میل جول سے ایک نے دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی، بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مذہب کی تبدیلی سے ان میں زیادہ فرق پیدا نہیں ہوا، جب مسلمانوں سے مغلوب ہونے کا صدمہ جاتا رہا تو ہندو مسلمان دونوں نے ایک ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی جس سے دونوں اچھے ہمسایہ کی طرح زندگی بسر کر سکیں"۔ (37)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اسلامی اخوت و مساوات کے تحفہ کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں اور اسلام کی آمد ہندوستان کی تاریخ میں کافی اہمیت رکھتی ہے، اس نے ان خرابیوں کو جو ہندو سماج میں پیدا ہو گئی تھیں یعنی ذاتوں کی تفریق، چھوت چھات اور انتہا درجہ کی خلوت پسندی کو بالکل آشکارا کر دیا، اسلام کے اخوت کے نظریے اور مسلمانوں کی عملی مساوات نے ہندوؤں کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا، خصوصاً وہ لوگ جو ہندو سماج میں برابری کے حقوق سے محروم تھے، اس سے بہت متاثر ہوئے"۔ (38)

ہندوستان کے مشہور سیاح ڈاکٹر برنیر[39] نے لکھا کہ:

"آج کل پہلے کہ بہ نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرمانرواں ہیں، اس وحشیانہ رسم کو نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں"۔

ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب "تمدن ہند" میں لکھتے ہیں کہ: "ہندوستان کے پہلے مؤرخ مسلمان تھے"۔

OPEN ACCESS

پروفیسر سری رام شرما دی کریسنٹ ان انڈیا میں لکھتے ہیں کہ:

"سیاسی نظام کی اچھائی اور برائی کا انحصار غلبہ واقتدار کی قوت پر نہیں بلکہ ملک کے اچھے نظم ونسق پر ہے لیکن ملک کا نظم ونسق ہر زمانہ کے لیے یکساں نہیں ہو سکتا، بلکہ زمانہ اور ماحول کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس لیے مغلوں سے پہلے سلاطین دہلی نے جو نظم ونسق قائم کیا اس کو اسی زمانہ کے معیار کے مطابق پر رکھنا چاہیے، یہ سلاطین ہندوستان میں فاتح بن کر ضرور داخل ہوئے لیکن مفتوحین سے ان کا میل جول جیسے جیسے بڑھتا گیا، ان دونوں کے جنگ جویانہ جذبات مٹ کر خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے گئے، معاشرتی اور ثقافتی امتزاج کے ساتھ سیاسی تعلقات کا بہتر ہونا ضروری تھا، اس لیے مسلمان حکمراں سیاسی نظم ونسق کو جلد سے جلد بہتر بنانے کی کوشش میں لگے رہے، بلبن کے زمانہ سے بابر کے زمانہ تک ان فرماں رواؤں کی یہی کوشش رہی کہ حکومت کی سرحدوں کو توسیع کرنے کے ساتھ ملک کے عام نظم ونسق میں ترقی ہوتی رہے، اس نظام کا اچھا یا برا ہونا، سلاطین اور ان کے صوبے کے گورنروں کے ذاتی اوصاف اور کردار پر بھی منحصر تھا"۔[40]

کے ایم۔ پینکر لکھتے ہیں کہ:

"اس کو تسلیم کرنا صحیح نہیں کہ (سلاطین دہلی کے عہد میں) ہندوؤں کے ہاتھ سے تجارت چھین لی گئی، مسلمان حملہ آور فوجی ہی رہے، وہ تجارت کو پسند نہ کرتے تھے، ہندوستان کا تجارتی کاروبار، ہنڈی اور قرض کے ذریعہ ہوتا تھا جو مسلمانوں کے لیے عجیب پیچیدہ چیز تھی، حکومت یا سرکاری عمال کی وجہ سے تاجروں پر بڑا بار ضرور پڑتا لیکن بنئے اس زمانہ میں بھی سوسائٹی کے ضروری اجزا اسی طرح رہے جیسے کہ آج کل ہیں، ہندو سوسائٹی جوں کی توں محض اس لیے رہی کہ حکومت کا مقامی نظم ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں رہا، اونچے عہدے دار تو مسلمان ہوتے لیکن نیچے کے تمام عہدے ہندوؤں ہی کو دیے جاتے، پٹواری، محاسب خزانچی، اسی طرح اور عہدہ دار ہندو ہی ہوتے، گورنر اور دوسرے بڑے عہدوں پر مسلمان مامور کیے جاتے... اس نظام کی بنیاد پر پلتمش اور علاء الدین پر خلجی دونوں نے ایک مختصر مدت میں امن بحال کر کے اپنی اپنی حکومتوں کی عمارتیں کھڑی کر لیں اور اسی نظام کی بدولت صوبائی گورنر قلیل فوج کی مدد سے آسانی سے صوبوں میں حکومتیں قائم کر لیتے"۔[41]

اے سی، چڑجی اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا میں لکھتے ہیں کہ:

"اس دور میں (یعنی سلاطین دہلی کے عہد میں) اسلام کی اشاعت کا اندازہ ہند کی موجودہ صورت حال سے کیا جاسکتا ہے، ہند کے شمالی مغربی خطہ یعنی کشمیر، مغربی پنجاب، سرحد اور سندھ میں تین چوتھائی سے زیادہ آبادی مسلمان ہوگئی ہے، اسی طرح بنگال میں آدھے سے زیادہ لوگ مسلمان ہیں، اس کے شمالی اور مشرقی اضلاع میں یہ تناسب کچھ اور بڑھا ہوا ہے، باقی صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، یہاں دس میں ایک اس سے بھی کم تعداد میں ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد شہروں اور قصبوں میں رہتی ہے، ہند کے شمال مغربی حصہ میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ ہوئی کہ مغرب کی طرف کے بہت سے مسلمان یہاں آکر آباد ہوگئے تھے، مقامی باشندوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر بنگال کی یہ شکل نہ تھی، یہاں صرف مقامی باشندوں نے اسلام اختیار کر لیا،

اس بات کی پوری تحقیق نہیں ہو سکی کہ بنگال میں اسلام کے پھیلنے کے کیا اسباب تھے، یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ اس مختصری کتاب میں اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے، ظن غالب یہ ہے کہ ہندومت کی پابندیوں نے بنگال کی پنچ ذاتوں کو اس نئے مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ کر دیا تھا، آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک بنگال پر پال خاندان کی حکومت تھی جو بودھ مت کا پیرو تھا، اس کے زمانہ میں پنچ ذاتوں کو بڑی آزادی حاصل تھی جب حسین خاندان کے لوگ جنور کی طرف بنگال میں داخل ہوئے تو وہ اپنے ساتھ اور اس کی تمام معاشرتی پابندیاں بھی لے آئے جن سے پنچ ذاتوں کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس لگتی تھی اور جب بارہویں صدی میں اسلام آزادی اور مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا، بنگال پہنچا تو عوام کی طبیعتیں خود بہ خود اس کی طرف مائل ہو گئیں، لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے، یہ ایک ایسا بڑا سبب ہے کہ اس کے ہوتے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حاجت نہیں"۔42

الغرض قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں تمام رعایا کے ساتھ بلالحاظ مذہب وملت رنگ و نسل رواداری اور انصاف کا معاملہ رکھا گیا۔ جو کام ظلم وجور سے ممکن نہ تھا اسے قطب الدین ایبک کی شخصی خوبیوں اور رعایا سے عمدہ سلوک نے ممکن بنا دیا۔ ان تاریخی حقائق کے پیش نظر صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے اس عظیم ملک کو جس قدر فائدہ پہنچایا ہے وہ اس فائدہ سے بہت زیادہ ہے جو ہندوستان نے انہیں پہنچایا۔ مسلمانوں کی آمد اس ملک کی تاریخ میں ایک نئے دور ترقی و خوشحالی کا آغاز تھا، جسے ہندوستان کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

وفات

روایات کے مطابق ایبک نے 14 نومبر 1210ء کو لاہور میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ فتوح السلاطین، تاریخ فرشتہ، طبقات ناصری، تاریخ مبارک شاہی، خلاصتہ التواریخ اور عام معروف روایات کے مطابق ایبک چوگان جو کہ پولو جیسا کھیل ہے کا دلدادہ تھا۔ ایک روز چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور زین کے سامنے کا اوپر اٹھا ہوا حصہ اس کے سینے میں پیوست ہو گیا، اسی سے وفات پائی۔(43)

خلاصۃ البحث

اسلامی حکومتوں کے بارے میں اغراض پسندوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمان نہایت جابر تھے، ظالم تھے، ہندوؤں کے دشمن تھے۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے کس قدر رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اس کا اندازہ دہلی میں مسلمانوں کی سب سے پہلی سلطنت "احوال سلاطین دہلی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ دہلی کی اسلامی حکومت کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ کسی کے مذہبی معاملہ میں مداخلت نہ کی جائے۔ چنانچہ دہلی کے ہندوؤں اور بدھوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں پوجا پاٹ کریں۔ اس کے علاوہ دہلی کی حکومت مندروں کی مرمت کو بھی اپنا فرض خیال کرتی تھی۔ حکومت کے عمال اور سپاہیوں کے نام احکامات جاری ہو چکے تھے کہ وہ عوام کی جان مال اور آبرو کا پوری طرح تحفظ کریں۔ اسی لئے

OPEN ACCESS

دہلی کے اس عظیم الشان انقلاب میں کسی ہندو عورت کی بے آبروئی کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ بلکہ ہر جگہ عورتوں کی آبرو کا پورا پورا احترام کیا گیا۔ ہندو امرا اور جاگیر داروں کی دہلی کی اسلامی حکومت کی جانب سے پوری طرح عزت افزائی کی جاتی تھی۔ خزانہ کا بیشتر حصہ رعایا کی بہبود اور فلاح کے لئے خرچ کیا جاتا تھا۔ کاشتکاروں، کاریگروں، صناعوں اور سوداگروں کو مالی امداد دی جاتی تھی۔ اور ملک کے اصلی باشندوں یعنی ہندوؤں اور بدھوں کو حکمرانی میں بھی برابر کا حصہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ تمام بڑے بڑے عہدوں پر غیر مسلم فائز تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے دہلی میں جس رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے اور جس طرح غیر مسلموں کی دلداری کی ہے۔ وہ کبھی دہلی کی سابقہ ہندو حکومتوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ بالخصوص قطب الدین ایبک کا نام سر فہرست ہے۔ چنانچہ معین احمد نظامی کا کہنا ہے ایبک کو سخاوت کا مترادف سمجھا جانا واقعی ایک ایسا خراج تحسین ہے جو کسی دوسرے فرمانروا کے حصے نہیں آیا۔ جنگ اور مہمات میں زندگی گزارنے کے باوجود انھوں نے تاریخ اور آنے والی نسلوں میں جو تاثر چھوڑا وہ ان کا انصاف اور ان کی سخاوت تھا۔

OPEN ACCESS

حوالہ جات:

---

[1] -Nizami, Khaliq Ahmad, Religious Trends of Delhi Sultans, Publications, Temple Road Lahore, Pakistan, p.84

[2] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 64

[3] -Minhaj Siraj Jozjani, Tabaqat Nasri, Central Urdu Board, Lahore, Ghalib Institute, New Delhi, 1975, 171, 172

[4] -Yahya bin Ahmad Sirhandi, Tarikh Mubarak Shahi, Asiatic Society, Kolkata, 2001, p.38

[5] ۔مولانا ذکاء اللہ نے لکھا ہے کہ "قطب الدین حافظ قرآن ہو گیا تھا، اور عربی و فارسی پڑھ گیا تھا۔(History of India, Vol. 1, p. 364)

[6] -Mohammad Qasim Farishta, History of Farishta, Jamia Osmania Sarkar Ali, Hyderabad, Deccan, 1932, vol.1, p.154

[7] -Ibn Battuta, Wonders of Books, published by Delhi Printing Works, Delhi, 1913, vol. 1, p. 52.

[8] -Zain al-Abidin Sajjad, Tarikh Millat, Vol. 2, p. 656

[9] -Ziauddin Barni, History of Ferozuddin Mubarak Shah, Department of History Muslim University, Aligarh, 1957, p. 32

[10] -Muhammad Qasim Ferishta, Tarikh Ferishta, Volume 1, p. 154

[11] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 79

[12] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 73

[13] Stanley Lane - Pool. Mediaeval India, Under Muhammadan Rule.Lahore, 1991, P.68

[14] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 73

[15] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 74

[16] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 77

[17] -Muhammad Qasim Ferishta, History of Ferishta, p-155

[18] -Khaliq Ahmad Nizami, Religious Tendencies of Delhi Sultans, p.90

[19] -Khaliq Ahmad Nizami, Religious Tendencies of Delhi Sultans, p.85

[20] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 78

[21] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 70

[22] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultan Delhi, 70

[23] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 71

[24] -Muhammad Qasim Ferishta, Tarikh Ferishta, Volume 1, p. 158

[25] -Khaliq Ahmad Nizami, Religious Tendencies of the Sultans of Delhi, p. 91

[26] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 75

[27] -Al-Biruni, Abu Rehan, Kitab-i-Hind, Anjuman Targhee Urdu (India), Delhi, 1942, p. 142

[28] -Khaliq Ahmad Nizami, Religious Tendencies of the Sultans of Delhi, 92

[29] -Dr. Abdul Razzaq Shahid, Sultans of Delhi, p. 75

[30] -Qazi Minhaj Siraj Jozjani, Tabaqat Nasri, p. 740

[31] -Tajuddin, Hasan Nizami, Tajul Maasir, : National Council for the Promotion of Urdu Language, New Delhi, p. 107

[32] -Khaliq Ahmad Nizami, Religious Tendencies of the Sultans of Delhi, p.89

[33] -Hasan Nizami, Taj al-Maasir, p. 110

[34] ـKhaliq Ahmad Nizami, Religious Trends of Delhi Sultans p.90

[35] ـSheikh Abdul Rasheed, History of India, P.C., Davash Shrini Aligarh India, p. 133

[36] ـKhaliq Ahmad Nizami, The Religious Tendencies of the Sultans of Delhi, p.90

[37] ـDr. Tara Chand, Impact of Islam on Indian Culture, pp. 136-137

[38] ـJawaharlal Nehru, Discovery of India, p45

[39] ـڈاکٹر برنیئر 1658ء میں ہندوستان آیا۔ 1670ء تک بارہ سال ہندوستان میں رہا۔ فرانسیس برنیئر نے واپس جاکر ہندوستان کے بارے میں سفر نامہ تحریر کیا، یہ سفر نامہ 1671ء میں پیرس میں شائع ہوا، یہ بعد ازاں انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا، برطانیہ میں چھپا اور اس کے بعد آوٹ آف پرنٹ ہو گیا۔

[40] ـSyed Sabahuddin Abdul Rahman, Religious Tolerance of Muslim Rulers in India's Historical Past, Dar Al-Musnafin, Shibli Academy, Azamgarh, UP, 2009, pp. 189-190

[41] ـKM Pinker, A Survey of Indian History, p. 29

[42] ـE. Marsden, A Brief History of India, Kolkata, India, p. 19

[43] ـA S. Asha, Fatuh al-Salateen, University of Madras, pp. 105-106

CC BY